پہلا حصہ — گاؤں کی زندگی

گاؤں کی زندگی ہمیشہ سادہ مگر کڑی مشقت والی رہی۔ مٹی کے کچے مکان، آنگن میں ٹوٹی پرانی چارپائی، کھیتوں میں دن رات جھکی ہوئی محنت... یہ سب حارث کی زندگی کا حصہ تھے۔ صبح ہوتے ہی مرغوں کی بانگیں گاؤں کو جگاتیں، کھیتوں میں ہل جوتنے کی آوازیں آتیں اور عورتیں گھروں میں چولہوں پر دھواں جلاتیں۔

حارث ایک عام کسان کے گھرانے کا بیٹا تھا۔ بچپن ہی سے غربت نے اس کے کندھوں پر بوجھ ڈال دیا تھا۔ باپ کھیتوں میں دن بھر محنت کرتا، ماں گھر کی ذمے داریوں میں لگی رہتی۔ چھوٹی بہن اور بھائی معصومیت سے کھیلتے لیکن اکثر اپنی آنکھوں میں سوال لیے حارث کو دیکھتے: “بھائی، ہماری زندگی کب بدلے گی؟”

اس کی بہن کبھی کچن کے کونے میں بیٹھی کہتی: “بھائی، جب تم بڑے آدمی بنو گے تو مجھے بھی اچھے اسکول میں داخلہ دلاؤ گے نا؟”

حارث مسکرا کر اس کے بال سہلاتا: “ہاں، تمہیں شہر کے سب سے اچھے اسکول میں پڑھاؤں گا۔”

چھوٹا بھائی اپنی معصوم شرارتوں میں کہہ دیتا: “اور مجھے بڑا کھلونا بھی لانا!”

یہ سن کر حارث کے دل میں عجیب سا درد اٹھتا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کی خواہشات پوری کرنے کے لیے خواب دیکھنا کافی نہیں، محنت اور قربانی لازم ہے۔

رات کو اکثر وہ چراغ کی دھندلی روشنی میں بیٹھ کر پڑھتا۔ کتاب کے اوراق پر جھکی آنکھوں کے ساتھ وہ سوچتا کہ گاؤں کے اس اندھیرے سے نکل کر شہر کی روشنی تک پہنچنا ہی اس کا مقدر ہے۔ ماں بار بار کہتی:

“بیٹا، روشنی کم ہے، آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔”

حارث ہمیشہ نرمی سے جواب دیتا: “اماں، روشنی اندھیری ہو یا تیز، مجھے اپنے خوابوں کی راہ دیکھنی ہے۔”

ماں کی آنکھیں یہ سن کر بھیگ جاتیں۔ وہ جانتی تھی کہ بیٹے کی محنت صرف اس کے لیے نہیں بلکہ پورے گھر کے لیے ہے۔

زندگی کی تنگ دستی نے کئی بار اس کے حوصلے کو آزمایا۔ کبھی پڑھنے کے لیے کتابیں میسر نہ ہوتیں، کبھی کھیت کے کاموں کی تھکن اس پر غالب آتی، لیکن اس کا عزم ٹوٹتا نہیں تھا۔ وہ اکثر آسمان کی طرف دیکھ کر دل میں کہتا:

“میں کامیاب ہو کر دکھاؤں گا۔ اپنے گھر والوں کی تقدیر بدلوں گا۔”

آخر وہ دن آ گیا جب اسے شہر جانا تھا۔ یونیورسٹی میں داخلے کی خبر ملی تو ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے بیٹے کے لیے پرانے کپڑوں کا ایک چھوٹا سا بستر باندھا۔ باپ نے خاموشی سے اسے دیکھا مگر آنکھوں میں فخر اور فکر

دونوں چھپے ہوئے تھے۔

”بہن بھائی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ بہن نے روتے ہوئے کہا: “بھائی، جلدی واپس آنا۔

”!چھوٹے بھائی نے ضد کرتے ہوئے کہا: “مجھے مت چھوڑ کے جاؤ

حارث نے دونوں کو گلے لگایا اور دھیرے سے کہا: “میں واپس آؤں گا، لیکن اس وقت جب تمہیں فخر ہوگا کہ تمہارا بھائی کامیاب ہو گیا ہے۔”

حارث روانگی

حارث نے گاؤں کے چھوٹے سے بس اسٹینڈ پر قدم رکھا۔ گرد و غبار اڑتی ہوئی زمین، لوگوں کی آوازیں، سامان سے لدی پھندی ٹوکریاں، اور کہیں کہیں چھوٹے بچے جو بس کی طرف حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی ماں کی آنکھوں میں نمی تھی، مگر وہ بیٹے کے سامنے مضبوط بنی ہوئی تھی۔ باپ نے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بس کے دروازے تک ساتھ آیا۔ چھوٹی بہن بھائی کچھ فاصلے پر کھڑے تھے، بار بار ہاتھ ہلا رہے تھے۔

خیال رکھنا بیٹا، محنت کرنا... اور اپنے مقصد کو کبھی بھولنا نہیں،" باپ نے دھیمے لہجے میں کہا۔"

حارث نے ہلکی سی مسکراہٹ دی، مگر آنکھوں میں نمی چھپانا مشکل ہو گیا۔ اس نے والد کے ہاتھ چومے، پھر سامان اٹھا کر بس میں چڑھ گیا۔ کھڑکی کے پاس جگہ ملی۔ کھڑکی سے جھانکتے ہوئے وہ آخری بار اپنے گھر والوں کو دیکھ رہا تھا۔ بس کے انجن نے زوردار آواز نکالی، دھواں اٹھا، اور گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

گاؤں کی کچی سڑکیں پیچھے چھوٹتی جا رہی تھیں۔ کھیت، درخت، چھوٹے چھوٹے مکان، سب ایک ایک کر کے نظروں سے اوجھل ہوتے جا رہے تھے۔ حارث کے دل میں عجب سا بوجھ تھا۔

کچھ گھنٹے بعد سورج غروب ہونے لگا۔ آسمان پر سرخی پھیل گئی۔ بس کے اندر مدھم مدھم باتوں کی آوازیں، کچھ مسافر سوتے جا رہے تھے، کچھ خاموش بیٹھے تھے۔ حارث نے بیگ میں سے کتاب نکالی، مگر لفظ آنکھوں میں دھندلے ہو رہے تھے۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی سوچ تھی: کیا میں واقعی اپنے خواب پورے کر پاؤں گا؟ کیا میں اپنے گھر والوں کے لیے روشنی لا سکوں گا؟

رات ڈھل آئی۔ بس کے اندر اندھیرا ہو گیا۔ صرف چھت پر لگی مدھم بلب کی پیلی روشنی باقی تھی۔ باہر کھڑکی سے اندھیرا پھیلا ہوا تھا، کہیں کہیں دور دیہات کے چراغ جھلملاتے تھے۔ بس کے پہیوں کی مسلسل گڑگڑاہٹ جیسے ایک لوری بن گئی۔ کئی بار حارث نے آنکھیں بند کیں، مگر نیند نہیں آئی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔

ایک لمحے کو اس نے خود کو اکیلا محسوس کیا۔ گاؤں سے دور، اپنے گھر والوں سے دور، اجنبی راستوں پر۔ مگر دل کے کسی کونے میں ایک عزم بھی تھا جو اسے سنبھال رہا تھا۔ اس نے آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے دیکھے اور دل ہی دل میں کہا:

امی، ابو... آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔

کچھ ہی دیر میں وہ تھکن سے اونگھنے لگا۔ بس ہچکولے کھاتی رہی، اور رات گزر گئی۔

جب آنکھ کھلی تو سورج نکل چکا تھا۔ کھڑکی سے باہر سنہری روشنی ہر طرف بکھری ہوئی تھی۔ سامنے ایک نیا منظر تھا — اونچی عمارتوں کی جھلک، بڑی بڑی سڑکیں، تیز رفتار گاڑیاں... یہ شہر تھا۔ وہی شہر جس کا خواب وہ برسوں سے دیکھ رہا تھا۔

حارث نے گہری سانس لی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ یہ ہے نیا سفر، نئی زندگی، نئے امتحان...

یونیورسٹی میں داخلہ

رکشے نے جیسے ہی یونیورسٹی کے مرکزی دروازے پر روکا، حارث کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اونچا گیٹ، بڑی بڑی عمارتیں، باغیچے اور ہجوم میں کھڑے نوجوان — سب کچھ اتنا مختلف، اتنا بڑا! دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ رکشے والے کو پیسے دے کر وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک وسیع میدان سا تھا جہاں ہر طرف طلبہ اپنے کاغذات اور فائلز لیے بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ کچھ نئے آنے والے بالکل اس کی طرح گھبرائے ہوئے تھے، کچھ پرانے طلبہ دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

حارث نے ایک بورڈ دیکھا جس پر لکھا تھا: **"ایڈمیشن آفس"**۔ وہ ہمت جمع کر کے اس طرف چل دیا۔ اندر داخل ہوا تو ایک طویل قطار لگی ہوئی تھی۔ ہر کوئی اپنی باری کا منتظر تھا۔ کاغذات کے پلندے، فارم بھرنے کی جلدی، اور کچھ کے چہروں پر تھکن صاف نظر آ رہی تھی۔

جب اس کی باری آئی تو کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون نے مسکراتے ہوئے کاغذات مانگے۔ حارث نے ہلکی سی گھبراہٹ کے ساتھ اپنا بیگ کھولا اور سارے کاغذات میز پر رکھ دیے۔

اچھا... تم گاؤں سے ہو نا؟" خاتون نے اس کے فارم پر نظر ڈال کر پوچھا۔"

حارث نے سر ہلایا۔

پریشان مت ہونا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ تمہارا داخلہ منظور ہو گیا ہے۔" اس نے مہر لگا کر فارم واپس کیا اور ایک" "کارڈ تھمایا۔ "یہ تمہارا اسٹوڈنٹ کارڈ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ہاسٹل کا کمرہ نمبر ہے جہاں تم رہو گے۔

حارث کے دل میں خوشی اور سکون کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے کارڈ مضبوطی سے پکڑا، جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ باہر آتے ہوئے اس نے یونیورسٹی کے احاطے کو پھر سے دیکھا۔ طلبہ کی بھیڑ، ہنسی کی آوازیں، مستقبل کی امیدیں — سب کچھ اسے خواب جیسا لگ رہا تھا۔

ہاسٹل

یونیورسٹی کے ایڈمیشن کے بعد حارث نے بیگ اٹھایا اور ہاسٹل کی طرف بڑھا۔ گیٹ پر داخل ہوتے ہی ایک بالکل نئی دنیا اس کے سامنے تھی۔ بڑی سی عمارت، لمبا سا صحن، دائیں بائیں طلبہ کا شور، کہیں کوئی کرکٹ کھیل رہا تھا تو کہیں چند دوست ہنسی مذاق میں مشغول تھے۔ کچھ لوگ کتابوں کے ساتھ بینچ پر بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے۔ یہ سب منظر دیکھ کر حارث کے دل میں ایک عجیب سا جوش اور گھبراہٹ ایک ساتھ پیدا ہوئی۔

ہاسٹل کے استقبالیہ پر ایک صاحب بیٹھے تھے، عمر تقریباً پچاس سال کے لگ رہے تھے۔ چہرے پر سختی مگر لہجے میں نرمی۔

جی بیٹا، کس کمرے کا نمبر ہے؟" انہوں نے کاغذات دیکھتے ہوئے پوچھا۔"

حارث نے فوراً اپنا اسٹوڈنٹ کارڈ نکالا اور دکھایا۔

ہاں... کمرہ نمبر چار۔ دوسری منزل پر ہے۔ سیڑھیاں دائیں طرف ہیں۔"

حارث نے شکریہ ادا کیا اور آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ ایک نیا احساس تھا — جیسے وہ اپنی زندگی کے ایک نئے باب کی طرف بڑھ رہا ہو۔

سیڑھیاں چڑھتے وقت اس نے دائیں بائیں جھانکا۔ کچھ کمروں کے دروازے کھلے تھے، اندر ہنسی مذاق، موسیقی اور شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ لڑکے کھیل رہے تھے، کچھ لیپ ٹاپ پر مصروف تھے۔ یہ سب دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ ہاسٹل کی زندگی اس کے گاؤں کی پرسکون زندگی سے بالکل مختلف ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آخرکار اپنے کمرے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ دروازے پر لکڑی کی تختی پر بڑا سا نمبر لکھا تھا: **4**۔

دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا، پھر آہستہ سے دھکیلا۔ اندر داخل ہوتے ہی منظر بالکل مختلف تھا۔ کمرے میں تین اور لڑکے موجود تھے۔ ایک بستر پر بیٹھ کر کتاب پڑھ رہا تھا، دوسرا کھڑکی کے قریب موبائل میں مصروف تھا، اور تیسرا اپنا سامان ترتیب دے رہا تھا۔

"حارث اندر آتے ہی مسکرایا اور بولا: "السلام علیکم، میرا نام حارث ہے۔ میں آپ کا نیا روم میٹ ہوں۔

تینوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر ایک ایک کر کے سب نے ہاتھ ملایا۔

وعلیکم السلام! خوش آمدید، میں فراز ہوں۔" کتاب پڑھنے والے نے کہا۔"

میں آصف،" کھڑکی کے پاس کھڑا لڑکا بولا۔"

اور میں بلال۔" سامان ترتیب دینے والے نے مسکرا کر کہا۔"

حارث نے بیگ نیچے رکھا اور بستر پر بیٹھ گیا۔ کمرے کا ماحول سادہ تھا، چار بیڈ ایک ترتیب میں رکھے ہوئے تھے، ساتھ ایک میز اور دو کرسیاں۔ کھڑکی سے ہلکی ہلکی ہوا آ رہی تھی۔

اس لمحے حارث نے دل ہی دل میں کہا: یہ ہے میرا نیا گھر۔ یہی سے میری نئی زندگی شروع ہوگی۔

ہاسٹل کا سفر

رات کا وقت ہو چکا تھا۔ ہاسٹل کی لائٹیں روشن تھیں مگر ہر طرف ایک عجیب سا سکون اور مدھم سا شور چھایا ہوا تھا۔ کمرہ نمبر چار میں اس کے نئے دوست اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، کوئی موبائل پر لگا تھا۔ مگر حارث کے دل میں بے چینی تھی۔ وہ اپنے بستر پر کروٹیں بدلنے لگا، پھر اٹھ کر ہلکی سی آہ بھری۔ دل میں آیا کہ ذرا ہاسٹل دیکھوں، آخر یہ ہے کیسی جگہ جہاں اسے آنے والے سال گزارنے ہیں۔

وہ آہستگی سے بستر سے اٹھا، چپل پہنی اور کمرے کا دروازہ دھکیل کر باہر نکل آیا۔

کوریڈور نیم روشن تھا۔ دیواروں پر پیلے بلب لٹک رہے تھے جو ایک سنجیدہ سا ماحول بنا رہے تھے۔ کمرے بند تھے مگر کچھ کے اندر سے ہنسی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کہیں سے گانے کی ہلکی آواز سنائی دی، جیسے کوئی چھپ کر گٹار بجا رہا ہو۔ حارث نے قدم سنبھال کر آگے بڑھائے۔ وہ ہر چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا، جیسے یہ سب اس کے لیے نیا اور اجنبی تھا۔

اس نے سیڑھیاں اترتے وقت ریلنگ پر ہاتھ رکھا۔ نیچے کی منزل پر کچھ لڑکے کرکٹ کھیلنے کے سامان کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی ہنسی سے ماحول میں جان پڑی ہوئی تھی۔

نیا لگ رہا ہے،" ایک لڑکے نے سرگوشی میں کہا، مگر حارث نے صرف مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور اپنی راہ چل دیا۔"

وہ استقبالیہ کے قریب آیا جہاں صبح والا انچارج اب اپنی کرسی پر اونگھ رہا تھا۔ سامنے نوٹس بورڈ پر مختلف اعلانات لگے تھے۔ کلچر ڈے، ڈرامہ سوسائٹی کے آڈیشن، اور آنے والے میچ کا پوسٹر۔ حارث نے سب کو غور سے پڑھا جیسے کسی اور دنیا کی جھلک ہو۔

پھر وہ صحن میں نکل آیا۔ صحن کے بیچ میں ایک بڑا درخت کھڑا تھا جس کی شاخیں روشنی میں عجیب سا عکس بنا رہی تھیں۔ کچھ طلبہ بینچوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے، ہنس رہے تھے۔ کچھ نے کتابیں کھول رکھی تھیں۔

حارث ان سب کے درمیان سے گزرا مگر دل میں ایک خاموشی ساتھ لیے۔ وہ اپنی رفتار آہستہ رکھے ایک ایک کونے کو دیکھتا رہا۔ ہاسٹل کی بیرونی دیواروں پر روشنی کے بلب لگے تھے، مگر ان کے بیچ بیچ میں اندھیرے کے ٹکڑے بھی موجود تھے۔ کبھی کبھی ہوا کے جھونکے سے درختوں کی شاخیں سرسراہتیں اور ماحول کو پراسرار بنا دیتیں۔

آخرکار وہ مرکزی دروازے سے گزرتا ہوا باہر آ گیا۔ باہر کا ماحول اندر سے بالکل مختلف تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سامنے سنسان سڑک اور دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

حارث نے ایک لمبی سانس لی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہاسٹل کی عمارت کے سائے سے نکل کر ایک طرف جا بیٹھا۔ وہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ دور آسمان پر ستارے چمک رہے تھے، اور ماحول میں ایک عجیب سی تنہائی اور خاموشی تھی۔

سنسان جگہ

حارث سنسان جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے کو چھو رہی تھی اور ماحول میں ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ بس کبھی کبھار دور سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آتی یا ہوا کے ساتھ درختوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی۔

وہ گھٹنوں کو بانہوں میں لپیٹ کر بیٹھا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کچھ لمحے وہ خاموش رہا، پھر آہستہ آہستہ خود سے باتیں کرنے لگا:

"کاش... کاش میں اتنا غریب نہ ہوتا... کاش میری ماں کو اتنی محنت نہ کرنی پڑتی... ابو کو دن رات مزدوری نہ کرنی پڑتی۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔ "کاش بہن بھائیوں کو بھی وہ سب ملتا جو باقی لوگوں کو ملتا ہے۔"

وہ روتے روتے تھکنے لگا مگر دل کا بوجھ ہلکا نہ ہوا۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں ٹوٹ پھوٹ۔

کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ تاروں سے بھرا ہوا آسمان، وسیع کائنات کا منظر، اس کے دل کو عجیب سکون دینے لگا۔ وہ کافی دیر تک بغیر پلک جھپکائے ان تاروں کو گھورتا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے لب ہلے:

"کتنا حسین ہے یہ آسمان... کتنی بڑی دنیا ہے یہ۔ اور جس رب نے یہ سب بنایا... وہی سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہی میرا سہارا ہے۔ اگر وہ اتنی بڑی کائنات کو سنبھال سکتا ہے... تو میری چھوٹی چھوٹی مشکلات اس کے لیے کیا ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔"

یہ کہتے ہی اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی روشنی اتر آئی، جیسے دل کے اندر امید کی ایک نئی کرن جاگ اٹھی ہو۔ آنسو آہستہ آہستہ تھم گئے۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرے، گہری سانس لی اور آہستہ سے کہا:

"ہاں... مجھے ڈرنا نہیں ہے۔ اللہ میرے ساتھ ہے۔"

پھر وہ آہستہ آہستہ اٹھا۔ ایک آخری نظر آسمان پر ڈالی اور دل ہی دل میں دعا کی۔ اس کے بعد وہ اپنے قدم واپس ہاسٹل کی طرف بڑھانے لگا۔

اب باد میں جاری رہے گا سب کرین بارائی کرم آپ میڈم